Majallah Tahqiq
Research Journal of
the Faculty of Oriental Learning
Vol: 44, Sr.No.130, 2023 pp 31 - 38

مجلہ تحقیق
مجلہ کلیہ علوم شرقیہ
جلد ۴۴، شمارہ ۱۳۰، جنوری۔مارچ ۲۰۲۳ء

# حوزے ساراماگو کی علامت نگاری

## (خصوصی مطالعہ ناول اندھے لوگ)

مشاہد حسین ہاشمی☆

**Abstract:**

José Saramago is one of the most important international writers of the last hundred years,born in Portugal in 1922.He was in his sixties when he came to prominence as a writer with the publication of Baltasar and Blimunda. A huge body of work followed, translated into more than forty languages, and in 1998 he was awarded the Nobel Prize in Literature.In this article, we have discussed the system of symbols in José Saramago' snovel Blindness. This novel was published in 1995, but it was translated into Urdu by Ahmad Mushtaq in 2011. The characters in the novel do not have specific names, which has increased the element of symbolism.In this novel, two basic human instincts, hunger and sex, are examined by symbols.Saramago died in June 2010.

پرتگالی ناول نگار حوزے ساراماگو اپنی عمر کے آخری حصے میں خاصا مقبول ہو چکا تھا۔ اس کی مقبولیت کی بڑی وجہ ۱۹۹۸ء میں اسے ملنے والا نوبل انعام تھا۔ مگر نوبل انعام سے پہلے بھی بطور فکشن رائٹر ساراماگو کا نام جانا پہچانا تھا۔ اس کی تصانیف میں سب سے زیادہ مقبولیت ناول "اندھے لوگ" کو ملی جو ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا اور چھپتے ہی شہرت کی بلندیوں کو چھونے لگا۔ پہلے پرتگالی سے انگریزی میں اور پھر دنیا بھر کی اہم زبانوں میں ترجمہ ہوا۔ اردو میں یہ ناول قدرے تاخیر سے ۲۰۱۱ء میں معروف "احمد مشتاق" نے ترجمہ کیا اور قارئین کو ایک اہم ناول سے روشناس کروایا۔

---

☆ شعبہ اردو، میرپور آزاد کشمیر

"اندھے لوگ" سفید اندھے پن کی وبا سے متعلق ہے۔ جیسے کووڈ 19 نے دنیا کو تیزی سے اپنی لپیٹ میں لے لیا یہ سفید اندھا پن بھی ناول میں اسی طرح پھیلا۔ آغاز میں متاثرہ لوگوں کو قرنطینہ کیا گیا مگر جیسے کووڈ 19 سب کوششوں کے باوجود پھیلتا گیا اسی طرح یہ سفید اندھا پن بھی پھیل گیا۔ ناول کی کہانی یوں ہے کہ ایک سڑک پر لال اشارے پہ ٹریفک رکی ہے۔ اشارہ سبز ہونے پر سڑک کے درمیان ایک گاڑی رکی رہتی ہے جس وجہ سے ٹریفک جام ہو جاتی ہے۔ وہ شخص شور مچاتا ہے کہ اسے ہر طرف سفیدی نظر آ رہی ہے۔ چناں چہ ایک انجان شخص اسے گھر پہنچانے میں مدد کرتا ہے اور گھر چھوڑ کر اس کی کار لے کر مفرور ہو جاتا ہے اور بعد ازاں خود بھی اندھا ہو جاتا ہے۔ اس پہلے اندھے شخص کی بیوی کسی طرح اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاتی ہے۔ پہلے اندھے شخص کی بیوی روتے روتے رومال سے آنکھیں صاف کرتی ہے اور رومال ہٹانے کے بعد دیکھتی ہے کہ وہ بھی اندھی ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر کلینک سے گھر آیا۔ وہ رات کو امراض چشم کے بارے میں کتابیں دیکھ رہا تھا تا کہ جان سکے کہ سفید اندھا پن کیا ہے۔ مگر کتابوں کی ورق گردانی کے دوران میں وہ خود بینائی سے محروم ہو گیا۔ ڈاکٹر کی بیوی واحد کردار ہے جو اندھا نہیں ہوا۔ ورنہ کلینک میں کام کرنے والی لڑکی، وہاں علاج کے لیے آنے والے مریض، فارمیسی اسسٹنٹ، ایک ایک کر کے سب اندھے ہو گئے۔ حکومت کو وبا کے متعلق پتہ چلا تو اس نے فوراً ایک پاگل خانے کی عمارت خالی کروا کر متاثرین کو اس میں قرنطینہ کر دیا۔ پہلے اس عمارت میں چند لوگ تھے مگر دھیرے دھیرے یہ تعداد تین چار سو افراد تک پہنچ گئی اور عمارت کی تمام وارڈز بھر گئیں۔ اس عمارت میں ڈاکٹر کی بیوی کے سوا سب اندھے تھے۔ عمارت کے باہر سارجنٹوں کا پہرا تھا جو سپیکر کے ذریعے ان کو ہدایات دیتے تھے اور باہر نکلنے والے کو گولی مار دیتے تھے۔ یہی سارجنٹ کھانے کے محدود ڈبے رکھ دیتے تھے۔ ناول نگار نے یہاں کمال مہارت سے اندھے لوگوں کی مکروہ حرکات و سکنات دکھائی ہیں۔ یہ اندھے کھاتے تھے اور وارڈز ان کے فضلے کی بد بو سے بھر جاتے تھے۔ بعض اندھوں نے جنسی آسودگی کا انتظام بھی کر لیا۔ ایک وارڈ میں اندھوں کا ایک گروہ آیا جن کے پاس پستول تھا۔ انھوں نے طاقت کے زور پر کھانے کے ڈبے قابو کر لیے اور ہر وارڈ والوں سے قیمتی اشیا

طلب کرنے لگے جو کوئی قیمتی چیز دے دیتا اسے کھانا مل جاتا۔ جب قیمتی اشیا ختم ہو گئیں تو انھوں نے ہر وارڈ کی عورتیں طلب کیں۔ اول اول تو مردوں نے احتجاج کیا مگر جب بھوک کی شدت بڑھی تو چار و ناچار غنڈوں کا مطالبہ ماننا پڑا۔ ناول نگار نے یہاں غنڈوں کی بے شرمی کے بہت سے واقعات لکھے ہیں۔ ڈاکٹر کی بیوی جو گھر سے آتے ہوئے اپنے خاوند کے بال تراشنے کے لیے ایک قینچی لے آئی تھی۔ اس نے قینچی سے اندھے غنڈے پر وار کر دیا۔ بعد میں ایک وارڈ کے اندھوں کے پاس ماچس نکل آئی۔ انھوں نے غنڈوں کی وارڈ کو آگ دکھا دی جو پوری عمارت میں پھیل گئی۔ زندہ بچ جانے والے اندھے عمارت سے باہر نکلے تو باہر کچھ نہ تھا۔ سارا شہر اندھا ہو چکا تھا۔ ڈاکٹر کی بیوی کی معیت میں کچھ اندھے ایک گروپ کی شکل میں چلتے رہے۔ شہر سارا گندگی سے بھر چکا تھا۔ وہ کھانا تلاش کرتے کرتے بالآخر ڈاکٹر کے گھر پہنچ گئے۔ وہاں پہنچ کر اندھوں کی بینائی رفتہ رفتہ واپس آ گئی۔

اس ایک ناول میں کہانی کار نے بہت سی چیزوں کو سمو دیا ہے۔ صرف ایک بینائی کے نہ ہونے سے سارا نظامِ حیات معطل ہو گیا۔ اور نظام کے معطل ہونے کے بعد انسان کی دو بنیادی جبلتوں نے اپنا اظہار کیا اور انھی جبلتوں کی تسکین کے لیے انسان حیوان بن گئے۔ بھوک اور جنس دو بنیادی جبلتیں ہیں۔ سارا نظامِ حیات معطل ہو گیا مگر یہ دو جبلتیں توانا رہیں۔ ان جبلتوں میں بھی بھوک پہلے اور جنس بعد میں آتی ہے۔ جب انسان کا پیٹ بھرا ہو تو اسے جنس اپنی طرف کھینچتی ہے اور اگر پیٹ خالی ہو تو جنسی جبلت اپنی کشش کھو بیٹھی ہے۔ آغاز میں جب غنڈے قرنطینہ والی عمارت میں نہیں آئے تھے تو سب اندھوں کو پیٹ بھرنے کے لیے کھانا مل جاتا تھا۔ چناں چہ وہ سب جنس کی طرف لپکتے تھے۔ ڈاکٹر جیسا سمجھدار انسان بھی ایک خاتون سے تعلق قائم کر لیتا ہے۔ اسی طرح ایک اندھا آدمی ایک خاتون سے جنسی زیادتی کرنے لگتا ہے اور بدلے میں خاتون اسے زخمی کر دیتی ہے۔ یہی زخم ناسور بن گیا اور کچھ عرصے بعد اس اندھے کو زندگی سے ہاتھ دھونا پڑا۔ یہ سب جنسی واقعات تب ہو رہے تھے جب ان اندھوں کو کھانا مل رہا تھا اور پیٹ بھرے ہوئے تھے۔ بعد میں جب غنڈوں کا گروہ آیا اور انھوں نے طاقت کے زور پر ان سے کھانا چھین لیا

تو اندھوں کے پیٹ خالی ہونے کی وجہ سے جنسی واقعات بھی رک گئے۔ اب ان اندھوں نے پیٹ بھرنے کے لیے تگ و دو شروع کر دی اور جن جن کے پاس قیمتی اشیا تھیں وہ غنڈوں کو دے دیں۔ دوسری طرف اندھے غنڈوں کے پاس کھانا وافر تھا۔ چناں چہ انھوں نے جنسی تسکین کے لیے دوسری وارڈ والوں سے عورتیں طلب کیں۔ یہ عورتیں بھوک کے لیے اپنا آپ پیش کرنے پر بھی راضی ہو گئیں۔ گویا بھوک اور جنسی عدم تسکین نے اس عمارت میں موجود انسانوں کو حیوانیت پر مجبور کر دیا۔ ناول نگار کا کمال یہ ہے کہ اس نے انسانی وجود کی اس دریافت کو روکھے پھیکے انداز میں نہیں دکھایا، نہ ہی اس نے اس سلسلے میں لمبی لمبی بحثیں چھیڑی ہیں بلکہ کرداروں کے اعمال سے یہ سب ظاہر کیا ہے۔

ناول کو سرسری انداز سے پڑھنے والے بھوک اور جنس کی جبلتیں دیکھیں گے تو سہی مگر شاید ان دونوں کو ایک ساتھ نہ دیکھیں۔ بغور دیکھنے سے پتہ چلے گا کہ سارا ما گو نے ان دونوں جبلتوں کی پیوند کاری بہت مہارت سے کی ہے اور ان کی باہمی کشمکش دکھائی ہے۔

علامتی حوالے سے ناول کو دیکھا جائے تو بہت سی چیزیں سامنے آتی ہیں۔ ناول نگار نے یہاں نابینا افراد نہیں دکھائے بلکہ اندھا پن دکھایا ہے۔ یہ اندھا پن ہر انسان کے وجود کے تاریک گوشوں کو سامنے لاتا ہے۔ یا یوں کہیے کہ انھی تاریک گوشوں کے سامنے آنے سے اندھا پن پیدا ہوا ہے۔ ہر انسان میں بے شمار ایسی منھ زور خواہشات ہوتی ہیں جو اسے گرد و پیش سے لاعلم کر دیتی ہیں اور خود غرضی پر مجبور کرتی ہیں۔ یہ بھی ایک طرح کا اندھا پن ہے۔ ناول میں تمام کردار جو اندھے ہوئے ہیں کسی نہ کسی منھ زور خواہش، لالچ یا اس طرح کی کسی اور برائی کا شکار ہیں۔ مثلاً اس شخص کو دیکھیے جس نے پہلے اندھے کی کار چوری کی اور کچھ ہی دیر بعد خود اندھا ہو گیا۔ ڈاکٹر جو پڑھا لکھا اور سمجھدار کردار ہے اپنی بیوی کے ہوتے ہوئے کسی اور خاتون سے جنسی تسکین حاصل کرتا ہے۔ اسی طرح غنڈوں کا وہ پورا گروہ جو اسلحے کے زور پر سب کو لوٹتا ہے۔ یہ اور اس طرح کے دوسرے بہت سے کردار ناول میں مل جائیں گے جو کسی نہ کسی برائی کا شکار ہیں اور اسی برائی کی وجہ سے اندھے ہو گئے ہیں۔ اگر چہ اس اندھے پن کی بیماری کو طاعون کی شکل ہی میں دکھایا گیا ہے جو ایک

شخص سے دوسرے کو لگ جاتی ہے۔ لیکن اگر یہ چھوت کی بیماری ہی ہوتی تو ڈاکٹر کی بیوی جو آخر تک اندھی نہیں ہوئی اسے بھی اندھا ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ ناول کا مرکزی کردار ہے اور قرنطینہ والی عمارت میں اپنے خاوند کے ساتھ آتی ہے اور آخر تک وہیں رہتی ہے۔ اتنے اندھوں میں رہنے سے اسے بھی بیماری لگنی چاہیے تھی، لیکن وہ آخر تک اندھی نہیں ہوتی۔ بلکہ اندھوں کو سنبھالتی ہے اور برائی کے خلاف لڑتی ہے۔ یہ واحد کردار ہے جس میں انسانیت باقی ہے، جس میں منھ زور خواہشوں کا غلبہ نہیں، جو برائی کے خلاف لڑتی ہے اور آخر تک اندھوں کی مدد میں مصروف رہتی ہے۔ وہ اپنے خاوند کو کسی اور خاتون کے ساتھ دیکھتی ہے لیکن اسے شرمندہ نہیں کرتی۔ وہ آنکھیں رکھتے ہوئے بھی کسی اندھے کو دھوکہ نہیں دیتی۔ وہ برائیاں پھیلانے والے غنڈوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرتی ہے اور قینچی سے ان پر حملہ کر دیتی ہے۔ نا صرف وہ خود برائیوں سے دور رہے بلکہ برائی کو روکنے کی بھی کوشش کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ناول نگار نے اسے اندھوں میں شامل نہیں کیا۔ اندھے صرف انھی کو دکھایا ہے جو خواہشوں کے غلام ہیں اور جو طاقت کے نشے میں مست ہیں۔

ناول میں آمرانہ تحکم اور جبر و استبداد کا شکار معاشروں کی حالتِ زار کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔ ڈاکٹر سید جعفر احمد نے اس ناول کو پرتگال کے فاشسٹ ڈکٹیٹر اولیویرا سالازار کے دور سے جوڑا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"حوزے سارا ماگو نے اپنی زندگی کا تقریباً نصف پرتگال کے فاشسٹ ڈکٹیٹر اولیویرا سالازار کے دور (۱۹۲۸ء تا ۱۹۷۴ء) میں گزارا۔ سالازار پرتگال میں اس نوع کی آمریت کا بانی تھا جو جرمنی میں ہٹلر اور اٹلی میں مسولینی نے قائم کی تھی۔ جرمنی میں ہٹلر نے معتوبین کے لیے کنسنٹریشن کیمپ بنائے تھے۔ حوزے سارا ماگو نے دکھایا ہے کہ سالازار کا پرتگال بجائے خود ایک کنسنٹریشن کیمپ تھا۔ پاگل خانے کی عمارت جس میں ابتداً تین چار سو اندھے رکھے گئے، ہٹلر کے کنسنٹریشن کیمپ سے بہت مماثل تھی۔ اس قرنطینہ میں حکم عدولی کی سزا فوجی سارجنٹوں اور سپاہیوں کی گولیوں کی صورت

میں ملتی تھی۔مجبور اندھے ہر وقت خوف میں مبتلا رہتے تھے کہ کسی سمت میں اٹھایا ان کا قدم کہیں طے شدہ حدود سے باہر نہ نکل جائے اور وہ گولی کا نشانہ نہ بنا دیے جائیں۔ اندھوں کے قرنطینہ کے ذریعے حوزے ساراما گو نے محبوس معاشروں کی نفسیات کی جھلکیاں دکھائی ہیں۔جن معاشروں میں فرد کی آزادیِ فکر و عمل چھین لیجائے، وہ معاشرے رفتہ رفتہ خوئے تخلیق سے محروم ہوجاتے ہیں۔وہ بصارت اور بصیرت سے محروم ایسے اندھے معاشرے بن جاتے ہیں جہاں لوگوں کی حیثیت ریوڑ سے زیادہ کی نہیں ہوتی۔اس ریوڑ کی جسمانی ضروریات ہی باقی بچ جاتی ہیں۔اس کی دیگر انسانی صفات ختم ہوجاتی ہیں۔"(۱)

جعفر صاحب کی تعبیر خاصی اہم ہے لیکن ظاہر ہے ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ یہ ناول کی ایک تعبیر ہے لیکن ہم ناول کو صرف ڈکٹیٹر شپ سے نہیں جوڑ سکتے۔علامت نگاری کا یہی کمال ہے کہ وہ فن پارے کو کسی خاص واقعے سے اٹھا کر اس میں کثیر المعنویت پیدا کرتی ہے۔مثلاً انتظار حسین کے ابتدائی افسانے دیکھیے جن میں تقسیمِ ہند کے موضوع پر براہِ راست افسانے لکھے گئے ہیں اور کوئی علامت استعمال نہیں کی گئی۔وہ افسانے نسبتاً کم تاثیر کے حامل ہیں اور یک رخے ہیں۔لیکن ان کے بعد کے افسانے (مثلاً وہ جو کھوئے گئے اور شہر افسوس) جن میں علامتوں کے ذریعے تقسیم کے حوادث کو بیان کیا گیا ہے۔وہ زیادہ معنویت اور تاثیر کے حامل ہیں۔اسی طرح حوزے ساراما گو کا ناول بھی اپنی علامتوں کی وجہ سے اپنے اندر کئی معنی رکھتا ہے۔ ساراما گو نے بھی انتظار حسین کی طرح ناول میں کرداروں کے نام استعمال نہیں کیے بلکہ انھیں " پہلا اندھا، ڈاکٹر، ڈاکٹر کی بیوی، کالے چشمے والی لڑکی" جیسی شناختوں سے ظاہر کیا ہے۔اسی طرح انتظار حسین بھی اپنے افسانوں میں کرداروں کو" زخمی سر والا آدمی، باریش آدمی، تھیلے والا آدمی، پہلا آدمی، دوسرا آدمی وغیرہ" جیسی شناختوں سے ظاہر کرتے ہیں۔غالباً ناموں کو چھپانے کی بڑی وجہ ان کی مخصوص شناخت کو ختم کرنا ہے جو ایک خاص خطے سے جڑی ہوئی ہے۔اگر ساراما گو کرداروں کے پرتگالی نام استعمال کرتے تو پڑھنے والے

ناول کو پرتگال کے لوگوں کے رویوں اور وہاں کے واقعات تک محدود رکھ کر دیکھتے۔ایک اور اہم بات یہ ہے کہ نام ترجمہ نہیں ہو سکتے سو کوئی فن پارا ترجمہ ہونے کے بعد اکثر نامانوس نام پڑھنے والوں پر خوشگوار تاثر نہیں ڈالتے اور بہت جلد یہ نام بھول جاتے ہیں۔سو" پہلا آدمی، ڈاکٹر، ڈاکٹر کی بیوی" ایسی کامن شناختیں ہیں جو ہر زبان میں ترجمہ ہوسکتی ہیں اور نامانوس بھی نہیں لگتیں، اور نہ فن پارا کسی خاص خطے سے جڑ جاتا ہے۔ بلکہ اس میں آفاقیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ناول کی علامتی حیثیت کی وجہ سے اس میں کثیر المعنویت پیدا ہوئی ہے اور یہ کسی خاص خطے کے مسائل سے اٹھ کر آفاقی نوعیت کا حامل ہو گیا ہے۔

اردو میں علامتی افسانہ تو بہت لکھا گیا ہے مگر علامتی ناول نسبتاً کم ہے۔اس حوالے سے اس ناول کا ترجمہ خوش آیند ہے کیوں کہ تراجم کے ذریعے ہی نئے اسالیب پیدا ہوتے ہیں۔ایزرا پاونڈ نے کہیں لکھا ہے کہ جو دور تخلیقی ادب کے لحاظ سے عظیم ہوتا ہے وہ ترجمے کے لحاظ سے بھی عظمت کا حامل ہوتا ہے یا تخلیقی دور ترجمے کے دور کے بعد ہی سامنے آتا ہے۔(۲) لہٰذا اردو کے ناول نگاروں کو ان تراجم سے سیکھنا چاہیے اور مترجمین کو ایسے مزید ناول ترجمہ کرنے چاہئیں۔

# حوالہ جات:


۱ جعفر احمد، ڈاکٹر، سید، حوزے ساراما گو کا دلدوز مگر فکر انگیز ناول اندھے لوگ، ۲۰۲۱ء، ۹۔۱۱
https://jang.com.pk/news/799540

۲ حسن عسکری، مضمون: گر ترجے سے فائدہ اخفائے حال، مشمولہ: مجموعہ محمد حسن عسکری، لاہور سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸، ص ۲۰۳


۞...۞...۞